کتبہ مارگلہ[۱]

از

(جناب لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب جہلم ، پاکستان)

شاہراہِ سوری (اصلی) (G. T. ROAD) کا کچھ حصہ ابھی تک دیکھنے میں آتا ہے۔

یوں تو تمام ہی سڑک کلکتہ سے پشاور تک شاہراہِ سوری کہی جاتی ہے مگر اس کی اصل ساخت جو مغلوں کے وقت تک تھی صرف ایک ہی مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اور یہ جگہ جہاں اصل سڑک آج تک موجود ہے نکلسن کی یادگار کے عقب میں ہے NICHOLSON'S MONUMENT- درۂ مارگلہ پر واقع ہے اور دور سے نظر آتا ہے یہ ایک لاٹھ کی مانند ہے جو جنرل نکلسن کی یادگار میں بنائی گئی۔ اس کے عقب میں جنوب مغرب کی طرف، موجودہ جی ٹی روڈ سے ہٹ کر پرانی سڑک کا ایک ٹکڑہ پہاڑوں کے دامن کی طرف نکل جاتا ہے اور کچھ بلندی سے ہوتا ہوا پہاڑ کا چکر کاٹتا ہوا موجودہ سڑک کی طرف جاتا نظر آتا ہے، اس مقام پر اصل شاہ راہِ سوری کا رخ یہی تھا۔ موجودہ سڑک اس علاقے میں انگریزوں نے پہاڑ کاٹ کر بنائی تھی۔ یہ حصہ سڑک مختصر

---

[۱] راولپنڈی سے ٹیکسلا جاتے ہوئے ۱۶ میل کے فاصلے پر دو پہاڑوں کے درمیان ایک درّہ ہے جس کو زمانۂ قدیم سے مارگلہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ابتدائی مورخوں نے (غلطی) اسے معاقل لکھا ہے۔ یہ لفظ یونانی الاصل معلوم ہوتا ہے۔ بصرہ (اعراق) کی بندرگاہ کے قریب ہی جہاں آج کل ان کے ہجری دفاتر ہیں، اس نام کا ایک علاقہ ہے جس کو مارگل کہا جاتا ہے اور عرب اسے معقل کہتے ہیں۔ یہ درّہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسے تاریخ یمینی میں حصینتہ المعاقل کہا گیا ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ علاقہ بھی اسکندر اعظم کے حملوں کے وقت اس نام سے پکارا گیا۔ اور ممکن ہے کہ معقل کا مقام جو بصرہ میں ہے اور یہ معاقل ہم عصر نام ہوں۔ عربوں یا مسلمانوں نے بعد میں ان کو معاقل اور معقل بنا دیا ہو۔ یہ لفظ دفاعی اصطلاح ہے اور اس کا مطلب رکاوٹ کے مترادف ہے۔

ہوا تو انھوں نے نعیم کو یہ خط لکھا :-

"سُوید بن مُقرّن کو ایک فوج دے کر قُومس تسخیر کرنے بھیجو، اُن کے مقدمۃ الجیش کے لیڈر سماک بن مخرمہ اور میمنہ اور میسرہ کے سالار علی الترتیب عتیبہ بن نہاس اور ہند بن عمرو جملی ہوں"۔[1]

۱۱۰۔ اس خط کا دوسرا نسخہ :-

"چوں کہ بھاگی ہوئی فارسی فوجوں کا کوئی سالار نہیں ہے، اس لئے ان کا قصہ پاک کرنا بہت آسان ہے تم خود رَیّ میں مقیم رہو اور اپنے بھائی سُوید بن مُقرّن کو دامغان بھیجو اور اُن کو تاکید کرو کہ جب قومس فتح ہو جائے تو بھاگی ہوئی عجمی فوجوں کا جہاں تک تعاقب ممکن ہو کریں"۔

یہاں بھاگی ہوئی عجمی فوجوں، کے اشارہ کی وضاحت ضروری ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر پڑھا زینبی نے ایک چال چلی تھی اور وہ یہ کہ اس نے نعیم بن مقرن سے کہا کہ سیاوخش کی فوجیں آپ کے مقابلہ میں اتنی زیادہ ہیں کہ کھلے میدان میں ان سے مقابل ہونا آداب دانش کے خلاف ہے میری رائے ہے کہ آپ دس ہزار فوج مجھے دیں اور باقی سے سیاوخش کے ساتھ رزم آرا ہوں، میں ایک چھپے راستہ سے جا کر شہر پر قبضہ کرلوں گا۔ جب جنگ کی آگ خوب بھڑک گئی تو زینبی ایک پہاڑی راستہ سے شہر میں اترا اور پیچھے پیچھے اس کی فوج تھی۔ شہر میں آکر فوج نے تلواریں سونت لیں۔ ایک قیامت برپا ہوگئی، لوگ بھاگ کر سیاوخش کے پاس گئے اور حالات سے مطلع کیا۔ اس کی فوج بال بچوں کو بچانے بدحواس ہو کر شہر کی طرف بھاگی تو سامنے زینبی کی فوج اور پیچھے نعیم کے رسالے تھے اس نرغہ میں پھنس کر بہت سے فوجی مارے گئے اور ان کی ایک خاصی تعداد بھاگ کر قومس کے صدر مقام دامغان میں پناہ گیر ہوئی، اس بھاگی ہوئی فوج کے لیڈر سارے کے سارے کھیت رہے تھے اور یہ قیادت سے محروم ہو کر کچھ ایسے حیران و پریشان تھے جیسے بے نگہبان کا گلہ۔ یہ تفصیلات ناسخ التواریخ میں بیان ہوئی ہیں۔[2]

[1] سیف بن عمر طبری ۴/۲۵۴ [2] ناسخ التواریخ ۴/۴۱۶ - ۴۱۷

تصحیح

"حضرت عمر کے سرکاری خطوط" کی اشاعت ماہ مارچ ۵۶ء میں صـ ۱۴۲ پر آٹھویں سطر کے بعد یہ عبارت کتابت ہونے سے رہ گئی ہے

"اور عثمان بن حنیف کو فرات سے الخ"

کتبہ مارگلہ[۱]

از

(جناب لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب جہلم، پاکستان)

شاہراہِ سوری (اصلی) (G. T. ROAD) کا کچھ حصہ ابھی تک دیکھنے میں آتا ہے۔ یوں تو تمام ہی سڑک کلکتہ سے پشاور تک شاہراہِ سوری کہی جاتی ہے مگر اس کی اصل ساخت جو مغلوں کے وقت تک تھی صرف ایک ہی مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اور یہ جگہ جہاں اصل سڑک آج تک موجود ہے نکلسن کی یادگار کے عقب میں ہے NICHOLSON'S MONUMENT- درۂ مارگلہ پر واقع ہے اور دور سے نظر آتا ہے یہ ایک لاٹھ کی مانند ہے جو جنرل نکلسن کی یادگار میں بنائی گئی۔ اس کے عقب میں جنوب مغرب کی طرف، موجودہ جی ٹی روڈ سے ہٹ کر پرانی سڑک کا ایک ٹکڑہ پہاڑوں کے دامن کی طرف نکل جاتا ہے اور کچھ بلندی سے ہوتا ہوا پہاڑ کا چکر کاٹتا ہوا موجودہ سڑک کی طرف جاتا نظر آتا ہے، اس مقام پر اصل شاہ راہِ سوری کا رُخ یہی تھا۔ موجودہ سڑک اس علاقے میں انگریزوں نے پہاڑ کاٹ کر بنائی تھی۔ یہ حصۂ سڑک مختصر

---

[۱] راولپنڈی سے ٹیکسلا جاتے ہوئے ۱۲ میل کے فاصلے پر دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ ہے جس کو زمانۂ قدیم سے مارگلہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ابتدائی مورخوں نے (عتبی) اسے معاقل لکھا ہے۔ یہ لفظ یونانی الاصل معلوم ہوتا ہے۔ بصرہ (اعراق) کی بندرگاہ کے قریب ہی جہاں آج کل ان کے بحری دفاتر ہیں، اس نام کا ایک علاقہ ہے جس کو مارگل کہا جاتا ہے اور عربی سے معقل کہتے ہیں۔ یہ درّہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اسے تاریخ یمینی میں حصینۃ المعاقل کہا گیا ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ علاقہ بھی اسکندرِ اعظم کے حملوں کے وقت اس نام سے پکارا گیا۔ اور ممکن ہے کہ معقل کا مقام جو بصرہ میں ہے اور یہ معاقل ہم عصر نام ہوں۔ عربوں یا مسلمانوں نے بعد میں ان کو معاقل اور معقل بنا دیا ہو۔ یہ لفظ دفاعی اصطلاح ہے اور اس کا مطلب رکاوٹ کے مترادف ہے۔

ہے مگر اس زمانے کی حالت بخوبی بیان کرتا ہے۔ جہاں سے یہ سڑک شروع ہوتی ہے وہاں دو مخروطی ستون جو چار فٹ بلند ہوں گے سڑک کے دونوں طرف موجود ہیں، سڑک پہاڑ کو کاٹتی ہوئی قدرے بلندی سے ہو کر گذرتی ہے۔ سڑک کی سطح پر بڑے بڑے پتھر بڑی خوش سلوبی سے لگائے گئے ہیں۔ گویا سڑک کی سطح نہ صرف ہموار ہے بلکہ بڑی پختہ بھی ہے۔ سڑک کے اس حصہ کے دونوں طرف چار چار فٹ اونچی دیواریں بھی ہیں جن پر پتھر لگے ہیں، یہ پتھر بھی مزید مضبوطی کے لئے لگائے گئے ہوں کہ اردگرد سے مٹی یا پتھر گر گر کر نیچے سڑک پر نہ آجائیں۔

سڑک کے اس حصہ کے وسط میں جہاں یہ بلندی پر ہے، دائیں جانب سڑک سے کوئی پندرہ[15] فٹ اوپر ایک چٹان میں ایک کتبہ فارسی زبان میں لگا ہوا ہے۔ یہ کتبہ جس پتھر پر کندہ ہے وہ فلنٹ کا (FLINT) ہے، الفاظ ابھرے ہوئے ہیں پتھر کے اندر کاٹ کر نہیں بنائے گئے، یہ پتھر اس وقت لگایا گیا تھا جب کہ شاہ راہ سوری کی مرمت آخری مرتبہ مغلوں نے کی تھی۔ اس پر سالِ مرمت ۱۰۸۳ھ (؟) ہجری لکھا ہوا ہے۔

اس کتبہ کو حل کرنے کی کوشش تین مرتبہ کی جا چکی ہے۔ سب سے پہلے گذشتہ صدی میں بلوخمین (BLOCHMANN) نے اسے ۱۸۷۱ء میں حل کیا اس کے بعد ۱۸۷۶ء میں ریہاٹسک (REHITSEK) نے ایک حل پیش کیا۔ اور آخر اس صدی میں یزدانی (YAZDANI) نے اپنا حل ۱۹۳۳ء میں پیش کیا۔ ان مستشرقین کا حاصلِ تحقیق مندرجہ ذیل رسائل میں شائع ہو چکا ہے

۱- رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد چالیس حصہ اول ص ۲۵۹

۲- انڈین اینٹیکوئٹیس جلد سوئم ص ۲۰۵

اور ۳- ببلیوگرافیکا انڈو مسلیمکا ۱۹۳۳/۳۴ ص ۲۱ [ص ۱]

ص 1 1- JASB VOL XL Part I Page 259

2- INDIAN ATIQVITIES VOL III Page 205

3- BIBLIOGRAPHICA INDO- MUSLIMCA 1933/34 Page 21

اِن اصحاب نے اپنا اپنا حل کاغذی عکس کی مدد سے کیا ہے (PAPER IMPRESSION) فوٹوگراف کی مدد سے نہیں کیا۔ کاغذی عکس کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ گیلا کاغذ کتبہ پر رکھ کر اُسے چسپاں کر دیا جاتا ہے اور باہر کی طرف کالی سیاہی لگا دی جاتی ہے اس عمل سے حروف کاغذ پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسے عکس میں یہ نقص ہوتا ہے کہ بعینہٖ وہی چیز کاغذ پر منتقل ہوتی ہے جو پتھر پر نظر آتی ہے۔ اگر کوئی چیز جو بخوبی پتھر پر پڑھی نہیں جا سکتی وہ اس عکس پر بھی ظاہر نہیں ہوتی اور بسا اوقات متعدد حروف اور ان کی ساخت، خاص طور پر ایسے حروف جو مکمل نہ ہوں اور ٹوٹے ہوئے ہوں، وہ ظاہر نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس ایک فوٹوگراف کتبہ کے حل کے لئے بہت بہتر ثابت ہوتی ہے۔ اکثر اسے بڑا کرکے (ENLARGE) بہت کچھ زائد دیکھا جا سکتا ہے اور حروف کی ساخت بھی مکمل طور پر نظر آ جاتی ہے۔

ہم نے ایک ایسا ہی فوٹوگراف اکتوبر ۱۹۵۵ء میں اُتارا تھا جس پر کام کرتے متواتر ڈیڑھ برس گذر چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم نے چند ایک نتائج نکالے ہیں جن کا اس وقت قارئین کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔ اس کتبے کی تاریخ میں یہ پہلا فوٹو ہے جو ہم نے لیا ہے، اس سے پیشتر کوئی حل بھی اس کتبے کا فوٹو کی مدد سے پیش نہیں کیا گیا۔ اگرچہ ہم اپنی تحقیق کو مکمل نہیں کہہ سکتے تاہم اس میں کچھ اہم پہلو اُجاگر ہو گئے ہیں جو پہلے منظرِ عام پر نہ تھے۔ اس فوٹو سے کتبہ کے حروف و الفاظ عموماً بہتر پڑھے جاتے ہیں۔ اور چند ایک باتیں جو کاغذی عکس پر ظاہر نہ ہوئی تھیں اس میں مکمل طور پر ظاہر ہو گئی ہیں۔ پیشتر کہ ہم اپنا حل پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ مستشرقین کے تمام حل یہاں لکھ دیئے جائیں تاکہ قارئین ان سب کا مقابلہ کر کے دیکھ سکیں کہ جو نکات ہم نے تجویز کئے ہیں وہ کہاں تک وزن دار ہیں اور ان کی کتنی اہمیت ہے، ذیل میں جو حل پیش کئے جائیں گے وہ مندرجہ بالا حوالوں سے لئے گئے ہیں جو ہمیں محترم فضل قادر صاحب کے توسط سے حاصل ہوئے ہیں، فضل قادر صاحب محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان کے ایک بڑے افسر ہیں اور ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا ہے کہ جب بھی کبھی ہم نے ان سے کوئی حوالہ دریافت کیا

انھوں نے بڑی عجلت سے اسے فراہم کر دیا۔ آج کل کے زمانے میں کتابوں کا فراہم کرلینا بڑا مشکل ہے۔ کام یوں ہی چل سکتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس لائبریریاں ہوں وہ محققین کی مدد حوالے بہم پہنچایا کرتے رہیں۔ یہ حتمی ہے کہ اگر یہ حوالے ہمیں نہ ملتے تو یہ مقالہ مکمل نہیں ہوسکتا تھا اب مختلف حل ملاحظہ فرمایئے :-

(۱) BLOCHMANN (۱۸۷۱) بلوخمین

مارگلہ

خان قوی پنجۂ مہابت شکوہ
شیر ز سر پنجۂ او ناتوان
گفت مغل رومی تاریخ شان
ناصیہ ہوش ہندوستان
باہتمام میرزا احمد داروغہ . . . .
احمد معمار و استاد جوگیداس و دیبی داس
تحویلدار سنہ ۱۰۸۳ ہجری

(۲) REHATSEK (۱۸۷۴) ریہاٹسک

ھوالقادر

خان قوی پنجۂ مہابت شکوہ
شیر ز سر پنجۂ او ناتوان
در کتل مارگلہ آنکہ بود
باکرہ چرخ برین تو امان

ساخت چنان را روئے شرف
یومیہ دید چرخ ز در زمان
گفت مثل ازپی تاریخ سال
ناصیر مہوش ہندوستان
باہام مرزا محمد داود داستان . . .
حمد معمار و جوگیداس و شرف و دیالداس
تحویلدار ۱۰۸۱ھ مرمت شد

(۳) YAZDANI (۱۹۳۳) یزدانی

ھوالقادر

خان قوی پنجۂ مہابت شکوہ
شیر ز سرپنجۂ او ناتوان
در کتل مارگلہ آنکہ بود
باکرہ چرخ بریں تو امان
ساخت چنان شاہراہی شرف
. . . چرخ . . . بو زمان
گفت مغل درپیٔ تاریخ سال
ناصبہ مہوش ہندوستان
باہتمام میرزا محمد . . . . داروغہ . . . .
احمد معمار و جوگیداس . . . شرف و دیالداس
تحویلدار ۱۰۶۳ھ مرتب شد

اس کتبہ کے تینوں حلقوں کا مقابلہ کرنے سے چند ایک باتیں سمجھ میں آتی ہیں

اوّلاً پہلے شعر سے پتہ چلتا ہے کہ مہابت خان کو اس کام پر مامور کیا گیا تھا کہ یہ مرمت کا کام اس کی زیر نگرانی تکمیل پائے۔

ثانیاً دوسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام مارگلہ میں مکمل ہوا۔

ثالثاً تیسرا شعر بتاتا ہے کہ یہ مرمت کا کام بحسن و خوبی سرانجام پایا۔

رابعاً آخری شعر میں کام کی تکمیل کی تاریخ ۱۰۸۳ھ (؟) نکالی گئی ہے جو کتبہ میں صاف نہیں۔

اور خاصاً قطعہ تاریخ کے نیچے تفصیلات میں چند لوگوں کے نام دئے گئے ہیں ان میں احمدؒ معمار، مرزا محمدؐ داروغہ، جوگی داس اور دیالداس قابل ذکر ہیں۔

ان میں احمدؒ معمار جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، تاج محل والا مشہور و معروف انجنیر ہے۔ جوگی داس اور دیالداس غالباً دو تحویلدار تھے جن کے ذمے اس کام کی دیکھ بھال اور لوازمات مرمت کا بہم پہنچانا تھا، تحویلدار درحقیقت خزانچی کو کہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں ٹھیکیداری کا کام بھی یہی لوگ کیا کرتے تھے، اور اپنی جیب سے خرچ کر کے سرکاری خزانے سے بعد میں اخراجات بل پیش کر کے وصول کرتے تھے۔ یہ تمام تفصیلات جن کا بالا میں ذکر کر دیا گیا ہے ہمیں اس قطعۂ تاریخ کے کتبے سے حاصل ہوئی ہیں۔ اس میں کچھ تفصیلات غور طلب ہیں۔ کیوں کہ جب ہم مآثر عالمگیری کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر حسن ابدال میں دوئم ربیع الاول ۱۰۸۵ھ ہجری کو وارد ہوتا ہے۔ حسن ابدال جیسا کہ معلوم ہے دّرہ مارگلہ سے دس میل پر واقع ہے، اور یقینی بات ہے، کہ اورنگ زیب کو حسن ابدال مقام پر پہنچنے کے لئے اس دّرہ مارگلہ ہی سے گذر کر جانا پڑا ہوگا، ممکن ہے کہ جاتے وقت اس نے اس جگہ پر سڑک کی حالت دگرگوں دیکھی ہو اور اس کی مرمت کا حکم دے دیا ہو۔ ہم اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ شاہی کیمپ میں چند ایک اور شخصیتیں بھی دیکھتے ہیں جن کا ذکر مصنف مآثر عالمگیری نے کیا ہے یہ مندرجہ ذیل لوگ تھے:-

(۱) مہابت خاں ستائیس (۲۷) رجب ۱۰۸۴ھ ہجری کو شاہی کیمپ میں شامل ہوتا ہے۔

(۲) تہل داس (۳) داروغہ شیخ عبدالعزیز اور (۴) لطف اللہ۔

اورنگ زیب عالمگیر کے ادھر آنے کا مقصد تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ افغانوں کی سرکوبی کے لئے آیا تھا جنھوں نے شجاعت علی خاں کو درۂ خیبر میں شکست دے کر پنجاب کے میدانوں کی طرف دھکیل دیا تھا اور جب اورنگ زیب افغانوں کو سبق سکھانے کی غرض سے شمال کی طرف بڑھتا ہے تو حسن ابدال میں آکر کیمپ کرتا ہے اور اس وقت اس کے ساتھ مندرجہ بالا اشخاص علاوہ دیگر لوگوں کے شامل ہوتے ہیں۔ لہذا حتمی بات ہے کہ ہمیں اس تاریخ کو قبول کرنے میں تردد ہو جو مستشرقین نے کتبہ سے حل کی ہے یعنی ۱۰۸۳ھ ہجری۔

آیئے ذرا ان شکوک کی روشنی میں اس تاریخی مادے پر ایک مرتبہ پھر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ ہم اس تاریخ مرمت کا تطابق ماثر عالمگیری کے بیان کے ساتھ کس طرح کر سکتے ہیں۔ اگر کتبہ کے آخری مصرعہ تاریخ کو ہم بغور دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس مصرع "ناصیہ مہوش ہندوستان" میں "مہوش" کا لفظ مٹا ہوا ہے لیکن م اور ش کے حروف صاف پڑھے جاتے ہیں۔ میرے فوٹو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "مہوش" نہیں بلکہ "ماہ وش" ہے اور گذشتہ محققین کو پڑھنے میں اشتباہ ہوا ہے۔ قطعہ کے نیچے جو تفصیلات مندرج ہیں ان میں تاریخ کے ہندسے بھی پورے نہیں چنانچہ خود محققین میں سے کسی نے ۱۰۸۳ھ لکھا ہے اور کسی نے ۱۰۸۱ھ اگر ہم لفظ "مہوش" کو "ماہ وش" پڑھیں تو یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچ جاتی ہے کہ اصل مادۂ تاریخ یوں ہوگا —— ناصیہ ماہ وش ہندوستان —— جس کے اعداد پورے ۱۰۸۴ھ بنتے ہیں جو وہی سال ہے جب اورنگ زیب عالمگیر حسن ابدال میں وارد ہوا لفظ مہوش کو ماہ وش لکھنے سے مصرع کا وزن بدستور قائم رہتا ہے اور معانی میں بھی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ حرف الف کے اضافے سے اعدادِ تاریخ بھی پورے ہو جاتے ہیں جن میں ایک کی کمی پڑ رہی تھی۔

ہمارے والے فوٹو گراف سے چند ایک اور باتوں کا پتہ چلتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ قطعہ کی سطریں

دو طرفہ پتھر کے کتبے کے کناروں تک چلی جاتی ہیں۔ مگر قطعے کے نیچے جو تفصیلات ہیں ان کی سطریں کناروں تک نہیں پہنچتیں بلکہ کناروں سے دور ہی بکھر جاتی ہیں اور اپنا فاصلہ بھی قائم نہیں رکھتیں، صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ الفاظ زمانے کی نامساعدت کی وجہ سے گر گئے ہیں۔ قطعہ کی آخری سطر جہاں مادۂ تاریخ دیا گیا ہے اور پہلی تفصیلات کی سطر کے درمیان فاصلہ زیادہ ہو گیا ہے اور اس میں کچھ سفید سے نشانات پائے جاتے ہیں جو حروف اور الفاظ کی مانند ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ایک پوری سطر گر چکی ہے۔ یہ باتیں کاغذی عکس پر نہیں منتقل کی جا سکتی تھیں اس لئے مستشرقین کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ اب جو ہم نے اپنے فوٹوگراف پر غور کیا ہے تو یہ باتیں ہماری نگاہ میں آئی ہیں اس حقیقت پر ہم ابھی مفصل بحث کریں گے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس وقت جو کتبہ ہمارے پیشِ نظر ہے وہ مکمل حالت میں نہیں ہے۔ بہت سے الفاظ اور ایک مکمل سطر غائب ہو چکی ہے۔

قطعہ کے نیچے تفصیلات کی پہلی سطر کے اواخر میں لفظ داروغہ کے بعد (سے) اس قسم کی ایک شکل نظر آ رہی ہے جو کہ ہماری نگاہ میں لفظ "شیخ" کا بالائی حصہ ہوگا۔ باقی لفظ گر چکا ہے، مآثرِ عالمگیری سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ داروغہ شیخ عبدالعزیز اورنگ زیب کے ہمراہ حسن ابدال میں آیا تھا اور ۱۰۸۵ھ میں حسن ابدال میں موجود تھا۔ ہماری نگاہ میں یہ بات ممکن معلوم ہوتی ہے کہ کتبہ میں نام اسی داروغہ شیخ عبدالعزیز کا ہو۔

ایک اور بات جو بڑی دلچسپ اس کتبے میں نظر آتی ہے وہ احمد معمار کا نام ہے جو اس تعمیر کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے احمد معمار نے ۱۰۵۹ھ ہجری میں وفات پائی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک بصیرت افروز مقالہ میں جو ادارہ معارف اسلامیہ کی ۱۹۳۳ء کی روداد میں شائع ہوا، لکھا ہے کہ ان کی وفات ۱۰۵۹ھ ہجری میں ہو گئی تھی اور اس کے ثبوت میں انھوں نے دو مصرعے تاریخ دئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شد بفردوس احمدؔ معمار
۱۰۵۹ ہجری